مولانا سیّد احمد عروج قادری مرحوم

(ایک شناسا کے تاثرات)

سیّد معین الدین احمد قادری

(قسط ۱)

موت ابنِ آدمؑ کی میراث ہے اور دردِ اجل لادوا ہے۔ "اجلِ مسمّٰی" کسی کی بھی نہ ٹلی ہے نہ ٹلے گی۔ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ جو پیدا ہوا ہے اسے ایک نہ ایک دن یقیناً مرنا ہے۔ موت سے کس کو رستگاری ہے۔

یہ سقفِ کہن ہے ابھی تک نئی
اسے دیکھتے یونہی دنیا گئی

(اسماعیل میرٹھی مرحوم)

با ایں ہمہ ایک عالم کی موت کو ایک جہان کی موت قرار دیا گیا ہے۔ مولانا عروج قادری مرحوم، مدیر "زندگیٔ نو" رام پور، یوپی کا سانحۂ ارتحال بھی دینی اور علمی حلقوں کے لیے اور تحریک اسلامی کے تعلق سے ایک محسوس اور عظیم حادثہ ہے اور ان کے خاندان، قدردانوں، احباب، نیاز مندوں، شاگردوں اور شناساؤں کے لیے غم انگیز اور پر آزمائش ابتلاء۔ **اللھم افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا!**

مولانا کی وفات نے جماعتِ اسلامی ہی نہیں، برصغیر کے علماء اور دینی حلقوں کی صفوں سے ایک با وزن اور مابہ الاستناد شخصیت کی جگہ خالی کر دی اور یہ معمولی خسارہ نہیں۔ یہ ایک ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی اس عہدِ قحط الرجال میں آسان نظر نہیں آتی، **واللہ علم عندا للہ**۔ جس قادرِ مطلق، مدبّرِ کائنات، زندۂ جاوید ہستی نے ایک طویل مدت تک ایک مومنِ مخلص سے اپنے دین کی خدمت لی اور توفیقِ ارزانی فرمائی، وہ تو بہرحال ہر "مافات" کی تلافی پر قدرت رکھتا ہے، **وما ذالک علی اللہ بعزیز**۔

ثقہ اور مستند عالم

مولانا مرحوم ایک ثقہ اور مستند عالم' علوم القرآن کے ماخذ و مصادر پر وسیع نگاہ رکھنے والے' صاحبِ قلم اور مصنف تھے۔ علمی اور فقہی تجزیہ و تنقید پر انہیں پر اعتماد قدرت حاصل تھی۔ انہیں قلمی دیانت کا بڑا اہتمام تھا۔ وہ ایک ایسے صاحبِ فضل و کمال تھے جس نے حق اور حقیقت کے معاملے میں کبھی لومتہ لائم کی پرواہ نہیں کی۔ شہرت و ناموری' قبولِ عام و عوام کے نقصان اور ابتلاء و آزمائش سے اندیشہ ناک ہوئے بغیر ایمانی صلابت کے ساتھ وہ حق گوئی پر اصرار کرتے رہے۔

امتیازی پہلو

ان کی شخصیت کے دو پہلو' میرے خیال میں' ان کے رفقاء' شناساؤں اور ان تمام لوگوں پر واضح تھے جنہیں ان سے کبھی واسطہ پڑا ہو۔ ایک پہلو تھا سادگی' نرمی' فروتنی اور غیر معمولی انکسار اور خدمتِ دین کے سلسلے میں راحت اور عافیت کوشی سے "قلندرانہ" بے نیازی۔ ان کی شخصیت کا دوسرا نمایاں پہلو تھا حق گوئی اور بے باکی میں یگانوں اور بیگانوں کی تفریق کیے بغیر فولاد منش کردار۔ وہ ناحق اور ناسزا کے لیے شمشیرِ بے نیام تھے۔

دولت و ثروت کا بھی پندار ہوتا ہے' فضل و کمال کا بھی۔ عام طور پر اہلِ علم اور اصحابِ قلم کی تحریریں "انا" کی نمود سے پاک نہیں ہوتیں۔ یہ ایک فطری کمزوری ہے۔ مولانا شبلی مرحوم کے عہد میں تو مصنف ہمیشہ جمع متکلم (ہم) اور قاری واحد حاضر (تم) کے صیغے میں ہوا کرتا تھا اور آج بھی مستثنیات کو چھوڑ کر بیشتر اہلِ قلم ایسے ہیں جن کی تحریریں اور تصانیف "نمودِ ذات" سے خالی نہیں ہوتیں۔ مولانا مرحوم اپنی تحریروں میں موضوعِ زیرِ بحث کی بجائے اپنی ذات یا اپنے علمی قد و قامت یا اپنے خانوادے کی روحانی عظمت و منزلت کو نمایاں کرنے کی "پرکاہ" سعی کرتے نظر نہیں آتے' حالانکہ کسی درجے میں یہ کمزوری انہیں ہوتی تو کوئی عجیب بات نہ تھی کہ بہرحال ان کا تعلق بھی ایک قدیم خانوادۂ رشد و ہدایت سے تھا اور انہوں نے فضائے خانقاہ میں اور مسندِ ارشاد کے زیرِ سایہ آنکھ کھولی تھی اور تعلیم و تربیت پائی تھی۔ جہاں عقیدت اور نیاز مندی کی فراوانی ہو' احساسِ ذات کا سر اٹھانا تقریباً ناگزیر ہوتا ہے۔

ان کی شخصیت کے دونوں پہلوؤں سے متعلق بے شمار اندرونی شہادتیں خود ان کی تحریروں سے پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے رفقاء کے ذاتی تجربات بھی ہوں گے۔

میں نے ایک مضمون اشاعت کے لیے بھیجا۔ اس کے مطالعے سے معلوم نہیں کیوں اور

کیسے ان کے ذہن میں یہ بات داخل ہوگئی کہ میں "ڈاکٹر" ہوں۔ انہوں نے مضمون کی رسید بھیجی تو پتہ میں میرے نام کے ساتھ "ڈاکٹر" کا اضافہ تھا۔ میں نے لکھا "مولانا! میں نہ معالج ہوں نہ طبیب (نئے اطباء ڈاکٹر کہلائے جانے پر اصرار کرتے ہیں) نہ ایلوپیتھ ڈاکٹر' نہ کسی تحقیقی کارنامے کی بنیاد پر پی ایچ ڈی کی سند رکھتا ہوں۔ عوامی زندگی اور سیاست میں بھی میرا کوئی مقام نہیں کہ اعزازی ڈاکٹریٹ مل گئی ہوتی۔ اس اضافے سے میری شناخت مشتبہ ہوگئی۔"

مولاناؒ نے جواب میں تحریر فرمایا "اس غلطی میں میرے قصد و ارادہ کا کوئی دخل نہیں۔ شاید یہ غلطی اس لیے ہوئی کہ آپ کو اپنا تعارف کرانا پڑا اور اب یہ حقیر آپ سے کچھ زیادہ واقف ہوگیا۔ میری غلطی کو معاف کردیجیے اور اپنے مضامین بھیجتے رہیے' آئندہ آپ کے نام کے ساتھ ڈاکٹر نہیں لگے گا"۔

ظاہر ہے اس قسم کی فروگذاشت رسائل و جرائد کی اشاعتوں میں ہو جایا کرتی ہے اور بعد کی اشاعت میں اس کی اصلاح زیادہ سے زیادہ معمول کی رسمی معذرت سے کر دی جاتی ہے ۔ میرا مقصد محض ایک غیر ارادی غلطی کی اصلاح ہی تھا لیکن مولانا کے انداز معذرت سے میں بہت متاثر اور نادم ہوا اور سوچنے لگا کہ کاش یہ "حادثہ" نہ پیش آیا ہوتا۔

مولانا کی شخصیت کے دوسرے پہلو کی توثیق ان کے قریبی رفقاء کے تجربے اور مشاہدے کے علاوہ ان کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے جو تبصرے' تنقید' استفسارات کے جوابات اور خود ان کی اپنی تصانیف اور "زندگیٔ نو" کے اشارات کی شکل میں سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند مثالیں ان کی ایک پیش نظر تصنیف سے پیش کی جاتی ہیں۔

"تصوف کی تین اہم کتابیں" ـــــ حضرت علی بن عثمان ہجویری لاہوری (م ۴۶۵ھ) کی تصنیف کشف المحجوب' حضرت نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ (م ۷۲۰ھ) کے ملفوظات فوائد الفواد اور حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۰۳۴ھ) کے مکتوبات ـــــ عنوان ہے کتاب و سنت کی روشنی میں ان تین کتابوں کے گہرے اور غیر جانب دارانہ مطالعے کا جو بقول مصنف اور فی الواقع ہندوستان اور پاکستان میں بکثرت پڑھی جاتی ہیں۔

پیش لفظ میں تحریر کرتے ہیں: "ہمارے مسلم معاشرے میں بزرگان دین کی عقیدت میں غلو کے جو مظاہر پھیلے ہوئے ہیں ان کا ایک بڑا ماخذ تصوف کی کتابیں ہیں۔ اس کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ان کتابوں کو اس طرح سامنے لایا جائے کہ ان میں جو باتیں کتاب و سنت یا عقل و نقل کے مطابق ہوں وہ بھی نمایاں کی جائیں اور جو باتیں عقل و نقل کے خلاف ہوں وہ

بھی واضح کی جائیں۔ اس حقیر کا احساس ہے کہ یہ بھی غلوئے عقیدت ہی کا نتیجہ ہے کہ یہ کام اب تک یا تو کیا ہی نہیں گیا یا بہت کم کیا گیا ہے۔" مولانا کے پیش نظر ان تصانیف پر کوئی سیر حاصل بحث یا تفصیلی تبصرہ نہ تھا۔ اس بات کی انہوں نے صراحت کی ہے۔ صرف نمونے کے طور پر غلوئے عقیدت اور مطلقاً انکارِ تصوف کی دو انتہاؤں کے یک رخے پن کی نشاندہی کردی ہے اور ان کتابوں میں جو غلط چیزیں مخلوط ہوگئی ہیں ان کو صحیح چیزوں سے انہوں نے الگ کردیا ہے۔

پروفیسر خلیق نظامی تصوف کے لٹریچر پر حوالہ جاتی درجہ استناد اور شہرت رکھتے ہیں۔ مولانا نے ان پر بھی بلا رو رعایت سخت گرفت کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

پروفیسر خلیق نظامی نے تاریخ مشائخ چشت کے مقدمے میں لکھا ہے "تصوف کی مستند کتابوں مثلاً قوت القلوب، رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، عوارف المعارف، تذکرۃ الاولیاء، فوائد الفواد، خیر المجالس کے صفحے کے صفحے الٹ جایئے صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ عملاً کتاب و سنت کی تلقین ملے گی" (ص ۲)

پروفیسر خلیق نظامی کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد مولانا نے اپنے پیش لفظ میں لکھا "جن صاحبان علم نے ان کتابوں کا خود مطالعہ نہیں کیا وہ پروفیسر صاحب کی تاریخ دانی پر اعتماد کرکے ان کے دعوے کو صحیح مان لیں گے، حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ ان کتابوں کے صفحے کے صفحے عقلِ عام اور کتاب و سنت کے خلاف بھی موجود ہیں"۔ بہرحال انہوں نے ان تین کتابوں کی حد تک، یہ بات اقتباسات کے ذریعے ثابت کردی ہے۔ ساتھ ہی کتاب و سنت کے حوالے سے ہی تین بزرگ مرجع عقیدت عام صوفیاء کی تصریحات کا اختلاف ثابت کردیا ہے۔

۱۔ کشف المحجوب

زمانی ترتیب کو پیش نظر رکھتے ہوئے کشف المحجوب سے ابتداء کی گئی ہے۔

کتاب اور مصنف کے تعارف کے ضمن میں، کسی کتاب کے تعارف کے متعلق اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ تعارف یا ترجمہ یا تلخیص میں ان باتوں کو نظر انداز کرنا جو دینی مسلّمات کے خلاف ہیں، یا کتاب و سنت کی تعلیمات ان کا ساتھ نہیں دیتیں یا ان کی ایسی تاویلیں کرنا جو عقل و نقل سے متصادم ہوں، صحیح نہیں ہے۔ زمانۂ حال میں بزرگانِ دین کے جو سوانح حیات مرتب کیے جا رہے ہیں، یا ان کی کتابوں کے جو ترجمے یا تلخیص شائع کی جا رہی ہیں، ان میں

غلطیوں کو نظر انداز کردیا جاتا ہے اور ان کتابوں کے قابلِ تنقید حصے حذف کردیے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ مفید نہیں ہے کیونکہ لوگ ان اصل کتابوں کو پڑھتے ہیں اور غلط باتوں کو بھی صحیح سمجھ لیتے ہیں اور ان کتابوں کی وجہ سے عوام و خواص میں جو غلط چیزیں پھیلی ہوئی ہیں ان کی اصلاح نہیں ہوتی۔"

تعارف کے بعد کتاب کے مختلف مندرجات پر گفتگو کی گئی ہے اور اکثر میں مختصر تبصرہ ہے جو مولانا کے مسلکِ تبصرہ و تنقید' کے ضمن میں سلامت روی' توازن اور تصنیف و مصنف کے ساتھ عدل و قسط کی پوری رعایت ملحوظ رکھنے کے علاوہ حق گوئی و بے باکی 'گرفت اور نکیر کے معاملے میں یہ شہادت بھی فراہم کرتا ہے کہ وہ حق اور حقیقت کے معاملے میں بلند مقامی اور "ہالۂ تقدس" سے بھی متاثر نہیں ہوتے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ وہ خود ایک خانوادۂ ارشاد سے تعلق رکھتے تھے اور ان بزرگوں اور بالخصوص اہلِ تصوف سے عقیدت ہی کی فضا میں انہوں نے آنکھ کھولی تھی۔

مولانا نے اس بات کا پورا اہتمام کیا ہے کہ ان تینوں کتابوں میں کتاب و سنت کے مطابق جو تصریحات ہیں ان کی جانب بھی مختصر اشارہ کردیں تاکہ ان کا اپنا تعارف اور تبصرہ یک رخا نہ رہ جائے۔ چنانچہ کشف میں ملحدوں کی جو تردید کی گئی ہے اس کا تحسین آمیز انداز میں انہوں نے ذکر کیا ہے ' لکھتے ہیں کہ پانچویں کشف میں جو نماز کے بیان میں ہے ' محبت اور عشق پر لمبی گفتگو کی گئی ہے ۔اس بحث میں انہوں نے ملحدوں کی تردید کی ہے اور سہل بن عبداللہ تستری کا محبت کے بارے میں یہ جملہ نقل کیا ہے :**المحبتہ ' معانقہ الطاعات و مبانیتہ المخالفات**" اللہ کی طاعتوں کو گلے لگانا اور اللہ کی مخالفتوں سے الگ ہوجانے کو محبت کہتے ہیں"۔ بعد ازاں شیخ ہجویریؒ کی فارسی عبارت کا ترجمہ درج کرنے کے بعد مولانا نے تحریر کیا "یہ کتنی صحیح اور ایمان افروز بات ہے" ۔ عبارت یہ ہے :

"اور سہل بن عبداللہ نے یہ بات ملحدوں کے اس قول کے رد میں کہی ہے کہ بندہ اللہ کی محبت میں اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ طاعت کا مکلف باقی نہیں رہتا اور ان کا یہ قول خالص زندقہ ہے 'اس لیے کہ یہ بات محال ہے کہ صحتِ عقل کی حالت میں کسی بندے سے اس کے مکلف ہونے کا حکم ساقط ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کبھی منسوخ نہیں ہوگی' اور اگر کسی ایک عاقل بالغ سے شریعت کے احکام کا ساقط ہونا جائز ہو تو تمام عاقل بالغ لوگوں سے اس کا ساقط ہونا جائز ہوگا اور یہ خالص زندیقیت (بے دینی) ہے' البتہ پاگلوں کے احکام اور ہیں۔"

کشف کے مندرجات کے مثبت پہلوؤں کا ذکر کرنے کے بعد تبصرے میں اس کے منفی پہلوؤں پر کلام کرتے ہوئے مولانا کی حق گوئی، شمشیرِ بے زنہار بن کر سامنے آتی ہے۔ شیخ ہجویری نے سورۂ ذاریات کے آخری رکوع کی آیت **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ** پر **ای لیعرفون** کا اضافہ کرکے مقصدِ زندگی ہی بدل دیا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا نے تحریر کیا ہے:

"**لیعرفون** (یعنی تاکہ مجھے پہچانیں) کا اضافہ کرکے اور "عبادت و بندگی" کو ترجمہ سے ختم کرکے انسان کی زندگی کا مقصد ہی بدل دیا گیا ہے۔

عبادت کی یہ تفسیر اور اس کا یہ ترجمہ (بذریعہ اضافۂ لفظی) نہ عربی لغت کے لحاظ سے صحیح ہے نہ قرآن و احادیث کے استعمالات کے لحاظ سے صحیح ہے۔ بات یہ ہے کہ صوفیہ اپنی زندگی کا مقصد بدل چکے تھے لیکن ضرورت تھی کہ اس کو اسلامی ثابت کیا جائے۔ اس لیے آیاتِ قرآنی کی من مانی تاویل کیے بغیر چارہ نہ تھا۔"

شیخ ہجویری نے اولیاء کی اقسام اور ان کی تعداد لکھنے کے بعد فرمایا "اس پر روایتیں ناطق اور اس کی صحت پر اہلِ سنت متفق ہیں"۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا نے لکھا "اس قسم کے غلط دعوے اور قرآن و احادیث پر صوفیہ کی یہ زیادتی دیکھ کر دل سے ان کے لیے دعائے مغفرت نکلتی ہے"۔

اولیاء کا مخصوص طبقہ

تبصرے میں "اولیاء کا مخصوص طبقہ" کے عنوان کے تحت چند اقتباسات نقل کیے گئے ہیں جن میں سے کسی میں کہا گیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اولیاء کو دوستی اور ولایت کے ساتھ خاص کیا ہے "وہ ملک کے والی ہیں جنہیں اس نے منتخب کیا ہے اور اپنے فعل کے اظہار کا نشانہ بنایا ہے" کسی میں یہ کہ "آسمان سے پانی ان کے قدموں کی برکت سے برستا ہے اور زمین سے نباتات، ان کے احوال کی صفائی سے اگتے ہیں اور مسلمانوں نے کافروں پر فتح انہی کی ہمت سے پائی ہے" اور کسی میں یہ کہ "خداوند تعالیٰ کے اولیاء، ملک کے مدبر ہیں اور عالم کے نگران، اور خداوند تعالیٰ نے خاص طور پر ان کو عالم کا والی گردانا ہے اور عالم کا حل و عقد، اللہ نے ان کے ساتھ وابستہ کردیا ہے اور احکام عالم کو ان ہی کی ہمت کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔" قرآن، اللہ کے بارے میں کہتا ہے **يُدَبِّرُ الْاَمْرَ**، کائنات کا انتظام چلا رہا ہے۔ "جہانِ ہستی کے ساتھ اس کا تعلق صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ کبھی اس کو وجود میں لایا تھا بلکہ ہمہ وقت وہی اس کا مدبّر و منتظم ہے، اسی کے قائم

رکھنے سے یہ قائم ہے اور اسی کے چلانے سے یہ چل رہا ہے"۔ وہ ملحدینِ یورپ کے خیال کے مطابق "Clock Maker God" نہیں ہے 'اس کائنات میں بالفعل اس کی حکمرانی ہے (۱۰:۳)۔ شیخ ہجویریؒ کا اور بالعموم تمام بزرگانِ دین کا احترام ملحوظ رکھنے کے باوجود نصِ صریح کے خلاف شیخؒ موصوف کے موقف پر مولانا اپنی برہمی ضبط نہ کرسکے 'ان کی صلابتِ ایمانی اس انحراف کو ہرچند کہ وہ ایک مرجعِ خلائق بزرگ سے ہوا تھا کیونکر برداشت کرسکتی تھی۔ اس مقابلے میں ادنیٰ مداہنت کتاب و سنت کی پاسداری کے بھی منافی تھی اور ان کی افتادِ طبع کے بھی۔

مولانا نے مذکورہ بالا اقتباسات پر تبصرہ اور تنقید کرتے ہوئے تحریر کیا: "قرآن کہتا ہے کہ مشرکینِ عرب' اللہ ہی کو اپنے ملک کا مدبّر سمجھتے اور مانتے تھے کسی اور کو نہیں۔ فلسفیانہ تصوف کہتا ہے کہ اولیاء سلطنتِ الٰہی کے مدبر ہیں اور عالم کا حل و عقد' اللہ نے انہیں کے حوالے کردیا ہے۔ **استغفراللہ واعوذ باللہ لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم**"۔ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ برہمی کے باوجود ناپختہ اور خام ناقدینِ تصوف کی مانند نہ طنز ہے نہ استخفاف۔ یہ مولانا کے کردار کا امتیاز تھا کہ وہ اپنے موقف کی صحت' علمی انداز اور محکم استناد کے ساتھ پیش کرتے۔ نہ نمودِ ذات' نہ تعلی نہ استخفاف ۔ جبکہ برصغیر کے چوٹی کے بعض شہرۂ آفاق اور علمی اعتبار سے بلند قامت گنے جانے والے اہلِ علم کی تصانیف بھی ان کمزوریوں کی شہادت سے پاک نہیں ہیں۔

ضعیف اور موضوع احادیث

"ضعیف اور موضوع احادیث" کے عنوان کے ماتحت نمونے کے طور پر کشف سے کچھ احادیث نقل کی گئی ہیں جن کا سہارا شیخ ہجویری نے لیا ہے اور عام طور پر صوفیہ اپنے مسلک کو صحیح ثابت کرنے کے لیے لیتے ہیں۔

احادیث اور ان پر مولانا کا تبصرہ ایجاز و اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے ۔اختصار اور سہولت کے پیش نظر اصل فارسی عبارت کا ترجمہ ہی نقل کیا جاتا ہے:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے اہلِ تصوف کی آواز سنی پھر ان کی دعا پر آمین نہ کہی وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں لکھا جائے گا"۔ (کشف ص ۲۲)

تبصرہ: "اتنی واضح موضوع حدیث ابھی تک نہیں پڑھی تھی۔ خود اہلِ تصوف تسلیم کرتے ہیں کہ تصوف اور اہلِ تصوف کے الفاظ عہدِ صحابہؓ کے بعد مسلمانوں کے لٹریچر میں داخل ہوئے ۔ لیکن انہوں نے بلا تامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ حدیث منسوب کردی"۔

(۲) رسول علیہ السلام نے کہا "تم پر صوف پہننا لازم ہے ۔ اس سے اپنے دلوں میں ایمان کی

حلاوت پاؤ گے"۔

تبصرہ : "جن لوگوں نے اس طرح کی حدیثیں وضع کی ہیں۔ انہوں نے خدا کے دربار میں پیش کرنے کے لیے کوئی جواب سوچ لیا ہوگا لیکن جن لوگوں نے اس طرح کی حدیثیں اپنی کتابوں میں نقل کرکے انہیں پھیلایا وہ کم ذمّہ دار نہیں ہیں"۔

(۳) رسول صلی اللہ علیہ وسلم گفت : اجمعوا بطونکم واظموا اکباد کم واعروا اجساد کم لعل قلوبکم تری اللہ عیا نافی الدنیا۔

شکمہارا گرسنہ دارید و جگرہا راتشنہ دارید و تن ہارا برہنہ دار ید تا مگر خداوندرا بینید بدل در دنیا۔

تبصرہ : "فارسی ترجمہ شیخ ہجویریؒ کا ہے۔ اس طرح کی موضوع حدیث پڑھ کر غصہ کو ضبط کرنا مشکل ہوتا ہے۔ جھوٹی حدیث پر جو وعید آئی ہے اس سے یہ لوگ کس قدر غافل ہوگئے تھے۔

صوفیہ صافیہ نے آیات کی من مانی تاویلات' ضعیف' موضوع احادیث' محیر العقول واقعات' مکاشفات و کرامات اور عجیب و غریب بیانات سے الماریاں بھر دی ہیں' حد یہ ہے کہ طویل تحریر لکھنے کے بعد آخیر میں اسی طرح کا (وعارف آنست کہ سخنش اندک بود' حیرتش مدام) جملہ لکھ دیتے ہیں۔ اب انسان حیران رہ جاتا ہے کہ لسانِ کلیل اور کلامِ قلیل کا یہ حال ہے تو اگر کہیں ان کی زبانیں کھل جاتیں تو کلام کا انداز کیا ہوتا"۔

مذکورہ بالا سخت گرفت اور شدید نکیر کے بعد تبصرے کے آخر میں یہ سطور مولانا کے توازنِ ذہنی' احتیاط پسندی اور اعتراف حقیقت سے انحراف نہ کرنے کی ان کی افتادِ طبع کا روشن ثبوت ہیں : "بہرحال صوفیائے کرام نے اپنی کتابوں میں جو باتیں کتاب و سنت کے مطابق لکھی ہیں اور اعمالِ صالحہ کی جو ترغیب دی ہے (کشف المحجوب کے مثبت پہلوؤں کے ذکر کے سلسلے میں کتاب و سنت سے مطابقت رکھنے والی تصریحات کا تذکرہ بھی تعارف کے ضمن میں انہوں نے کیا ہے)۔ اس پر ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین"

۲۔ فوائد الفواد

تعارف کے سلسلے میں تحریر کرتے ہیں "فوائد الفواد تصوف کی مشہور و معروف اور مستند کتاب ہے۔ یہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کو ان کے بہت ہی مقرب مرید و خادم حضرت امیر حسن علا سجزی المعروف بہ حسن دہلوی رحمتہ اللہ نے

حضرت نظام الدین اولیاء سے خود سن کر مرتب کیا ہے ---- ان ملفوظات میں واقعات و حکایات کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ اس کتاب کا ایک بڑا حصہ بن گئے ہیں"۔ کتاب کی وجہ تسمیہ خود مرتب نے یہ بیان کی ہے "ایں مجموعہ راچوں دلہائے درد منداں ازان فائدہ می گیرند فوائد الفواد نام کردہ شد"۔

اپنے تنقیدی مسلک کے مطابق اور ریکارڈ کو درست کرنے اور تصوف کے تعلق سے یک رخے اور انتہا پسندانہ موقف کی اصلاح کو قرینِ حقیقت بنانے کے لیے اس تصنیف کے بھی مطابق کتاب و سنت اور مخالفِ کتاب و سنت ، عقل و نقل تصریحات کی بے لاگ لپٹ نشاندہی کی ہے۔ ملاحظہ ہو :

فوائد الفواد کے دو امتیازات کا تذکرہ کرنے کے بعد مولانا نے مختلف عنوانات (عنوانات خود ان کے قائم کردہ ہیں) قائم کرکے ملفوظات کے مثبت پہلو کی نشاندہی کی ہے۔ امتیازات یہ ہیں :

(۱) اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں فلسفیانہ مباحث نہیں ہیں اور نہ اس میں وحدۃ الوجود کا کوئی دخل ہے۔ سیدھی سادی باتیں ہیں جو متعدد مواقع پر دل کو چھو لینے والی ہیں۔

(۲) حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے خود اپنے لیے کسی درجے اور مرتبے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا ہے بلکہ ہر جگہ تواضع کا اظہار فرمایا ہے۔

صومِ دہر کے عنوان کے تحت ملفوظات میں مسلسل روزہ رکھنے کے بجائے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ---- ایک دن روزہ رکھنے اور ایک دن افطار کرنے ---- کی تلقین کے بارے میں تحریر کرتے ہیں "یہ تشریح حدیثِ نبوی کے عین مطابق ہے"۔

اسمِ اعظم کے بارے میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ نے ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا "معدہ کو لقمۂ حرام سے پاک رکھو اور دل کو دنیا کی محبت سے دور کرو۔ اس کے بعد تم اللہ تعالیٰ کے جس نام سے بھی اس کو پکارو گے وہی اسمِ اعظم ہے" (۹۷) اس پر تبصرہ ہے "یہ کتنی موثر نصیحت ہے۔ یہ ہے وہ تصوف جس کا کوئی مومنِ مخلص انکار نہیں کرسکتا۔"

مولانا حافظ سراج الدین بدایونی نے حضرت نظام الدین اولیاء سے دریافت کیا" **من لیس لہ شیخ فشیخہ شیطان**" کیا یہ حدیثِ رسولؐ ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا "یہ مشائخ کا قول ہے" ۔ پھر سوال کیا "**من یرمفلحا لا یفلح ابدا**" اور یہ ؟ حضرت شیخ نے فرمایا "یہ بھی مشائخ کا قول ہے"۔

تبصرہ : "شکر ہے کہ ایک بڑے درجے کے صوفی نے بھی ان دونوں اقوال کے حدیثِ رسولؐ ہونے

سے انکار کیا اور صحیح بات بتلا دی۔ پہلا قول نہ صرف یہ کہ حدیث نہیں ہے بلکہ بالکل غلط ہے"۔

قولِ باطل کی تردید

مرتب ملفوظات نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے اس قول کے بارے میں استفسار کیا' جو حضرت بایزید بسطامی سے منسوب کیا جاتا ہے یعنی "محمدؐ و دونہٗ تحت لوائی یوم القیامہ" (محمدؐ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ' قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے) مرتب کہتے ہیں کہ حضرت شیخ نے اس کا یہ جواب دیا۔ فارسی عبارت کا ترجمہ:

"انہوں نے نہیں کہا ہے۔ یہ ان کی بات نہیں ہے۔ ایک وقت میں انہوں نے "سبحانی ما اعظم شانی" کہا تھا' اس کے بعد آخر عمر میں اس سے تائب ہوئے اور کہا "میں نے یہ اچھی نیک بات نہیں کہی' میں ایک یہودی تھا۔ اب اس وقت اپنا زنّار توڑتا ہوں' از سرِ نو مسلمان ہوتا ہوں اور کہتا ہوں' **اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشہد ان محمد عبدہ و رسولہ**"۔

تبصرہ: "بہرحال مرتب ملفوظات نے حضرت بایزید بسطامی کی طرف منسوب جو بات سنی تھی اس کی تردید کر دی۔ اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ گمراہ لوگوں نے بزرگوں کی طرف بہت کچھ منسوب کردیا ہے"۔

قفلِ سعادت کی کنجیاں

اس عنوان کے تحت حضرت نظام الدین اولیاء کا یہ قول نقل کیا گیا ہے "قفلِ سعادت کی بہت سی کنجیاں ہیں۔ کوئی نہیں جان سکتا کہ کس کنجی سے قفل کھلے گا لہٰذا ہر کنجی کو گرفت میں لینا چاہیے (ہر طاعت کا التزام کرنا چاہیے خواہ وہ مالی ہو یا بدنی یا اخلاقی) اگر اس کنجی سے نہ کھلے گا تو دوسری کلید سے کھلے گا۔ اگر اس سے کشادہ نہ ہوگا تو دوسری سے ہوگا" اس کے بعد یہ تبصرہ: "حضرت شیخ کا یہ ارشاد احادیث نبویؐ کے مطابق اور بہت موثر ہے"۔ (جاری ہے)

بقیہ: حکمت مودودیؒ

اللہ میں ہر وقت میدان گرم ہی نہیں رہا کرتا ہے اور نہ ہی ہر شخص اگلی ہی صفوں میں لڑ سکتا ہے۔ ایک وقت کی میدان آرائی کے لیے بسا اوقات پچّیس پچّیس سال تک لگاتار خاموش تیاری کرنی پڑتی ہے اور اگلی صفوں میں اگر ہزاروں آدمی لڑتے ہیں تو ان کے پیچھے لاکھوں آدمی ان کی ضروریات کے ان چھوٹے چھوٹے کاموں میں لگے رہتے ہیں جو ظاہر بین نظر میں بہت حقیر ہوتے ہیں۔ (اقتباس از تقرر امیر جماعت اسلامی' سید مودودیؒ مارچ ۱۹۴۴ء' روداد جماعت اسلامی حصہ دوم ص ۳۵-۴۳)